Department of Urdu

STSN GOVT DEGREE COLLEGE, KADIDRI.

Student study projects

S.NO	Name of the student	Group	Academic year	Title of the project
1	S.Tarannum	III BA	2015-2016	Allama iqbaal
2	k.Nafees	III BA	2016-2017	Tanqeed ki tareef
3	P.Ruksar	I BA	2017-2018	Jhingar ka janaza
4	Shaik tahaseen	I BA	2018-2019	Professor shehr-e-yaar
5	c.seema firdose	II BA	2018-2019	Meer Anees ki Marsiya nigari
6	Shaik shaista	II BA	2018-2019	Marsiya ki tareef
7	Haseentaj	III BA	2018-2019	Marsiya ki ajzaye tarkibi

8	S.Aaqhila	I BA	2019-2020	Allama iqbaal

S.T.S.N Govt Degree
College Kadiri

Depeartment of Urdu Cluster A_1

Topic :- علامہ اقبال

Assignment given by :- S. Tarannum
III rd B.A (U.H.P)
Roll No : 10

Submitted to :-
Jamshida mam
2015 - 2016

S

علامہ اقبال

اقبال کے بزرگ کشمیری برہمن تھے اور کشمیر ان کا وطن تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کا خاندان ترکِ وطن کر کے سیالکوٹ میں آباد ہوگیا۔ یہیں 9 نومبر 1877ء کو محمد اقبال کی ولادت ہوئی۔ ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ اور ماں کا نام امام بی بی تھا۔ یہ دونوں بہت تعلیم یافتہ تو نہیں تھے مگر انھوں نے اپنے بیٹے کی تربیت پر بہت توجہ کی۔ گھر کا ماحول مذہبی تھا۔ شاید اسی لیے اقبال کلامِ پاک کی تلاوت کے بہت شوقین تھے اور بڑی خوش الحانی سے تلاوت کرتے تھے۔

اقبال کی عمر چار سال چار مہینے کی ہوئی تو دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انھیں مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ شیخ نور محمد کے ایک دوست جو شاہ صاحب کہلاتے تھے اور جن کا نام سید میر حسن تھا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ اقبال کی تعلیم صرف درسِ قرآن تک محدود نہیں رہنی چاہیے تو یہ کام شاہ صاحب کو ہی سونپ دیا گیا۔ اب وہ اردو فارسی اور عربی ادب کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ آٹھ برس

اس کے آگے بے خودی کی منزل ہے جہاں فرد کی خودی ملت کی خودی میں ضم ہو جاتی ہے۔ یہی خودی کی آخری منزل ہے۔

اقبال پیامی شاعر ہے لیکن اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ پیرائیہ اظہار میں دلکشی نہ ہو تو فلسفہ و پیغام کی طرف کوئی متوجہ ہوتا ہی نہیں۔ انھوں نے تمام شعری وسائل کا سہارا لیا اور سامعین و قارئین کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ایک تو وہ اپنے پیغام کو کسی اہم ہستی کی زبان سے ادا کر کے زیادہ پر تاثیر بنا دیتے ہیں، کہیں خضر کی زبان استعمال کرتے ہیں تو کہیں جبریل کی، کہیں لینن کی تو کہیں سر سید کی۔ مصوری یا پیکر تراشی بھی ان کی نہایت پسندیدہ تدبیر ہے۔ ان کا سارا کلام خوبصورت تصویروں کی آرٹ گیلری (Gallery) ہے۔ پیکر تراشی میں استعارہ و تشبیہ سے بہت مدد ملتی ہے اور اقبال کو ان دونوں کے استعمال کا بہت سلیقہ ہے۔

شعر کے لیے نغمگی بہت ضروری ہے اور اقبال کے کلام میں ترنم بہت زیادہ ہے۔ موسیقی سے ان کی طبعیت کو بہت مناسبت ہے۔ اور وہ بحروں کا انتخاب بھی بہت سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔ لفظوں کے انتخاب میں بھی وہ بڑی ہنرمندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ اسی لیے

ان کی غزلوں اور نظموں کو بڑی خوش آہنگی کے ساتھ گایا جا سکتا ہے۔

ایک اور شے جس سے شعر کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے صنائع کا ہنرمندانہ استعمال ہے۔ اقبال نے مختلف صنعتوں کو بڑے سلیقے کے ساتھ برتا ہے۔ سب سے زیادہ استعمال انھوں نے صنعت تلمیح کا کیا ہے۔

اقبال نے بار بار کہا کہ میں شاعر نہیں فلسفی اور پیغامبر ہوں اس لیے ان کا فلسفہ و پیغام عام توجہ کا مرکز بنا رہا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ شاعر پہلے ہیں، فلسفی و پیغامبر بعد کو۔

S.T.S.N Govt Degree College

Department of Urdu

Assignment Topic :- تنقید کی تعریف

Name :- K. Nafees

Class :- III[rd] B.A (UHP)

Urdu Common paper 2016-17

5

تنقید کی تعریف

اچھے برے میں فرق اور کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کی صلاحیت بچے سے لے کر بوڑھے تک ہر انسان میں کم ہو یا زیادہ مگر ہوتی ضروری ہے اور یہ نہ ہو تو جینا دشوار ہو جائے۔ زمین پر قدم رکھنے والا پہلا انسان بھی اس صلاحیت سے محروم نہ رہا ہوگا جبھی تو اس نے ترقی کی بے شمار منزلیں طے کر لیں۔ جب اس نے زندگی کا سفر شروع کیا تو یہ حالت تھی کہ پیٹ بھرنے کا کوئی مناسب انتظام نہیں، بدن لباس سے محروم، موسم کی سختیوں اور وحشی جانوروں سے محفوظ رہنے کو جائے پناہ نہیں اور آج یہ عالم ہے کہ آرام و آسائش کے سارے وسیلے میسر ہیں۔ یہ سب اسی سمجھ بوجھ کا کرشمہ ہے جس سے وہ برابر کام لیتا رہا۔ مثلاً پہلے اس نے اپنے جسم کو پتّوں سے چھپایا۔ پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ کھال پتوں سے بہتر ہے تو پتوں کی جگہ کھال نے لے لی۔ پہلے اس نے پیڑوں پر پناہ لی پھر غاروں کو محفوظ تر پایا تو یہی اس کی پناہ گاہ ٹھہرے۔ آگے چل کر اس نے حریر و کمخواب بنا اور ایسی عمارتیں

تعمیر کیں جنھیں آسمان جھک کر بوسہ دے۔ یہ سب اسی کی سمجھ اور پرکھنے کی صلاحیت ہی کا انعام تھا۔ یہ اسی کی قوتِ فیصلہ ہی تو تھی کہ بیکار رہنبروں سے وہ بے نیاز گزر گیا اور زرخیز وادیوں کو اپنا مسکن بنالیا۔ اسی سمجھ، پرکھ اور قوتِ فیصلہ کا ایک نام تنقیدی شعور بھی ہے۔ انسانی زندگی کا کارواں اسی تنقیدی شعور کے سہارے آگے بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا اور یہ سفر جاری ہے۔ اسی لیے ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے زندگی کے لئے تنقید کو اتنا ہی ضروری بتایا جتنی کہ سانس!

زندگی کے ہر شعبے کی طرح ادب کے لیے بھی تنقید اور تنقیدی شعور ناگزیر ہے۔ ادب سے سروکار رکھنے والی تنقید کو ادبی تنقید کہا جاتا ہے اور یہاں اسی پر گفتگو مقصود ہے۔ ادب میں تنقید کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک تو وہ تنقید ہے جو فن پارے اور اس کو دیکھنے یا پڑھنے والے کے درمیان رابطے کا کام دیتی ہے۔ آیئے اب ان دونوں پر بالترتیب غور کریں۔۔

ادب میں تنقید کی کارفرمائی اسی وقت شروع ہوجاتی ہے جب فنکار کے ذہن میں کسی فن پارے کی داغ بیل پڑھنے لگتی ہے۔ گویا تخلیقی عمل کے ساتھ ساتھ تنقیدی عمل بھی شروع ہوجاتا ہے۔ ایک مفکر نے کہا ہے کہ جب بت تراش

کوئی مورت بنانے کے لئے چھینی ہتھوڑا سنبھالتا ہے تو اس سے پہلے وہ مورت اس کے ذہن میں مکمل ہو چکی ہوتی ہے۔ اسی طرح کوئی شاعر نظم لکھنے کو قلم اٹھاتا ہے تو نظم کا خاکا اس کے ذہن میں مکمل ہو چکی ہوتی ہے۔ اسی طرح کوئی شاعر نظم لکھنے کو قلم اٹھاتا ہے تو نظم کا خاکا اس کے ذہن میں تیار ہو چکا ہوتا ہے۔ یہ کام تنقیدی شعور کے بغیر ممکن نہیں۔ تنقیدی شعور ہی شاعر کی رہنمائی کرتا ہے کہ نظم کیسے شروع ہو، کس طرح آگے بڑھے اور کہاں ختم ہو۔ غرض یہ کہ جب کوئی فن پارہ فنکار کے ذہن میں جنم لینے لگتا ہے تو یہیں سے تنقید اپنا کام شروع کر دیتی ہے اور جب وہ فن پارہ ظاہری شکل اختیار کرنے لگتا ہے تو تنقید کا عمل تیز تر ہو جاتا ہے۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مصور تصویر بناتے بناتے ہاتھ روک لیتا ہے۔ دو قدم پیچھے ہٹ کر ادھوری بنی تصویر کو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے۔ کچھ سوچتا ہے، پھر آگے بڑھتا ہے اور برش حرکت میں آ جاتا ہے۔ اس منزل سے شاعر و ادیب کو بھی گزرنا پڑتا ہے جو کچھ وہ لکھتا ہے اس پر بار بار غور کرتا ہے، لفظوں میں الٹ پھیر اور رد و بدل کرتا ہے بقول حالی ایک ایک لفظ کے لیے اسے ستر ستر کنویں جھانکنے پڑتے ہیں۔

ST SN. govt degree college

Kadiri...

Name :- 1

P. Ruksar...

Roll No :- 10

Topic :- جہیز کا جنازہ.

Mediam :- Department of urdu...

جھینگر کا جنازہ

خواجہ حسن نظامی

خواجہ حسن نظامی :=

میری سب کتابوں کو چاٹ گیا بڑا موذی تھا
خدا نے پردہ ڈھک لیا ہے۔ اوہ! جب اس کی لمبی لمبی مونچھوں
کا خیال کرتا ہوں جو وہ مجھ کو دکھا کر ہلایا کرتا تھا۔ تو آج اس کی لاش
دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ اس جھینگر کی داستان ہرگز نہ کہتا۔
اگر دل سے عہد نہ کیا ہوتا کہ دنیا میں جتنے حقیر و ذلیل مشہور ہیں
میں ان کو چاند لگا کر چمکاؤں گا۔ ایک دن اس مرحوم کو میں نے دیکھا
کہ حضرت ابن عربی کی "فتوحات مکیہ" کی ایک جلد میں چھپا بیٹھا ہے
میں نے کہا سدی رہے۔ سر پیر! تو یہاں آیا اچھل کر بولا ذرا اس
کا مطالعہ کرتا تھا۔

سبحان اللہ! بھائی کیا خاک مطالعہ کرتے تھے۔ بھائی
یہ تو ہم انسانوں کا حصہ ہے۔ بولا وہ قرآن نے گدھے کی مثال
دی ہے۔ کہ لوگ کتابیں پڑھ لیتے ہیں۔ مگر نہ ان کو سمجھتے ہیں

ان پر عمل کرتے ہیں ۔ لہذا وہ بوجھ لدا ہوا ہے

مگر میں نے اس مثال کی تقلید نہیں کی خدا مثال دینی
جانتا ہے ۔ تو بندہ بھی اسکی دی ہوئی بلاغت سے ایک نئی مثال
پیدا کر سکتا ہے ۔ اور وہ یہ ہیں ۔ کہ انسان مثل ایک جھینگر کے ہیں ۔
جو کتابیں چاٹ لیتے ہیں ۔ سمجھتے بوجھتے خاک نہیں ۔

یہ جتنی یونیورسٹیاں ہیں ۔ سب میں یہی ہوتا ہے
ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس نے علم کو علم سمجھ کر پڑھا ہو ۔
جمعہ کا وقت تھا ۔ خطبہ کی اذان پکاری جاتی تھی ۔ دل سے سنا ۔
جمعہ تو ہزاروں آتے رہیں گے ۔ خدا اسلامی دے نماز پڑھ لینا ۔ اس
جھینگر کے جنازے کو کندھا دینا ضروری ہے ۔ یہ موقع بار بار
نہیں آتے بیچارہ غریب تھا ۔ خلوت نشین تھا ۔ خلقت میں
حقیر و ذلیل تھا ۔ مگر وہ تھا ۔ غلط سمجھا جاتا تھا ۔ اسکا ساتھ نہ دیا
تو امریکہ کے کروڑپتی راک فیلر کے شریک ماتم ہو گئے ۔

اگرچہ اس جھینگر نے ستایا تھا ہی دکھایا تھا ۔ لیکن حدیث میں

آیا ہے کہ مرنے کے بعد لوگوں کا اچھے الفاظ میں ذکر
کیا کرو۔ اس واسطے میں کہتا ہوں۔

خدا بخشے بہت سی خوبیوں کا جانور تھا ہمیشہ دنیا
کے جھگڑوں سے الگ کونے میں کسی سوراخ میں، بورے
کے نیچے آبخورے کے اندر چھپا بیٹھا رہتا تھا۔

نہ مچھر کا ساز ہریلا و تیکھا تھا۔ نہ سانپ کا ڈسنے وال
دشمن نہ لومڑی کی سی شر پر جوش تھی۔ نہ بلبل کی مانند پھولوں کی
عشق بازی۔ شام کے وقت عبادت رب کے لئے ایک مسلسل بین
بجاتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ غافلوں کیلئے صدا ہے۔ اور عاقلوں کیلئے
جلوہ طور۔ ہاں تو "جھینگر کا جنازہ ہے۔ ذرا دھوم سے نکلے"
چیونٹیاں تو اس کو اپنے پیٹ کی قبر میں دفن کر دیں گے۔ قیصر مرثیہ
و لفظ کہہ کر مرحوم سے رخصت ہونا چاہیے۔

جھینگر کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
قیصر کا پیارا ہے، اسے توپ پر کھینچو

ے پروفیسر، اے فلاسفر، اے متوکل درویش، اے نغمہ
ے والے قوال! ہم تیرے غم میں نڈھال ہیں۔

Name:- Shaik: Tahaseen

Subject:- Language Urdu

Submited by

5/5

Jamsheeda Mam

2018-2019

Hall No:- 200053131

Advance urdu App

Name :- C. Seema ferdouse.

Group :- B.A (U.H.P) II^nd year IV semister

Topic :- " مسرانشں کی "

" مرتب شکارا "

College :- S.T.S.N. Govt Degree Kadiri

-: 1515591

2018 - 2019

میر انیس

* میر انیس کے حالات زندگی کے بارے میں بتائیے

میر ببر علی نام اور انیس تخلص تھا۔ میر خلیق کے بیٹے اور میر حسن کے پوتے تھے۔ 1802ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان علم و ادب میں ہمیشہ ممتاز رہا۔ کئی پشت سے شاعری کے ساتھ ساتھ مرثیہ گوئی سینہ بہ سینہ چلی آرہی تھی۔ ابتدائی تعلیم مولوی میر علی سے حاصل کیا اور عربی مفتی میر عباس سے پڑھی۔ شاعری میں والد سے تلمذ تھا۔ خلیق مرثیہ گوئی میں بلند رتبہ رکھتے تھے۔ انیس نے بھی باپ کے قدم پر قدم رکھا اور باپ کی زندگی ہی میں کافی شہرت حاصل کرلی۔ ورزش کے بچپن سے مشتاق تھے۔ فن شہسواری اور سپہ گری کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جوان کی مرثیہ گوئی میں مودالا ثابت ہوئی۔

صدر جہ وضع دار خلیق اور منکسر المزاج تھے۔ امرا سے ملنے میں اجتناب کرتے تھے۔ اپنی خودداری اور آن بان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ کبھی کسی کی خوشامد میں کبھی شعر نہیں کہا۔ کلام کا ذخیرہ بہت وافر ہے۔ ان کے مرثیوں کی چار ضخیم جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

مرثیہ

نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں وہ رنگین ہے عبارت میری شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

تشریح:- میر انیس مرثیہ کے چہرہ میں اپنی مرثیہ گوئی میں مہارت پر شاعرانہ تعلّی کرتے ہوئے مرثیہ کے پہلے بند میں کہتے ہیں کہ میری فصاحت خوانِ تکلم میں نمک کی طرح ہے اور میری بلاغت کو سن سن کر دوسروں کے رنگ اڑ جاتے ہیں کیونکہ شعر گوئی میں میری طبیعت ایک پر شور دریا کی طرح ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ اسی مرثیہ گوئی میں میں نے اپنی عمر گزاری ہے مرثیہ گوئی میرا موروثی پیشہ ہے اور حضرت شبیر کی مداحی میں میری پانچویں پشت ہے۔

"کیوں نہ ہو بندۂ موروثی مولا ہوں میں قلزمِ رحمتِ معبود کا قطرہ ہوں میں
جس میں لاکھوں دُرِ مرجاں ہیں وہ دریا ہوں مدح خوانِ پسرِ حضرتِ زہرا ہوں میں"
وصف جوہر کا کروں یا صفتِ ذات کروں
پیش رتبہ پہ نہ کیوں آپ مباہات کروں میں

تشریح:- میر انیس اس بند میں بھی اپنی مرثیہ گوئی پر شاعرانہ تعلّی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے اپنی مرثیہ گوئی پر فخر کیوں نہ ہو کیونکہ میں بھی حضرت علیؓ ہی کا وارث ہوں اور اسی طرح میں اس دریا کا ایک معمولی قطرہ ہوں جس میں لاکھوں در اور مرجان ہے۔ اسی لئے میں حضرت زہرا کے فرزند کا مدح خواں ہوں۔ میں سوچتا ہوں اپنی قابلیت کا ذکر کروں یا ان کی ذات کا ذکر کروں بہرحال میں اپنی وراثت پر جتنا فخر کروں مجھے یہ زیب دیتا ہے۔

ماجرا صبح شہادت کا بیاں کرتا ہوں ٭ رنج و اندوہ و مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں ٭ جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں

جن کا ہمتا نہیں ایک ایک مصاحب ایسا
ایسا بیٹا نہ کہیں ہوگا نہ صاحب ایسا

تشریح:- میر انیس اس بند میں کہتے ہیں کہ میں اس مرثیہ میں صبح شہادت حسینؑ کا واقعہ بیان کرتا ہوں اور اس دن کی رنج و مصیبت کو بیان کرتا ہوں شہادت کے دن ان پیاسوں کی عبادت کا واقعہ بیان کرتا ہوں اور ان جاں نثاروں کی اطاعت کا واقعہ بیان کرتا ہوں حضرت حسینؑ کا ایک ایک مصاحب ایسا تھا کہ ان کی کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ نہ کبھی ایسا صاحب ہوتا ہے اور نہ ہی ایسا اطاعت گزار کوئی دوسرے پیدا ہوں گے۔

"صبح صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور ٭ زمزمے کرنے لگے یاد الٰہی میں طیور
مثل خورشید برآمد ہوئے خیمے سے حضور ٭ یک بیک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور

"شش جہت میں رخ مولا سے ظہور حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا چاند کا چہرہ فق تھا"

تشریح:- میر انیس کہتے ہیں کہ جس وقت آسمان پر صبح صادق کا ظہور ہوا اور پرندے یاد الٰہی کرنے لگے۔ اسی وقت حضرت حسینؑ اپنے خیمے سے برآمد ہوئے اور تمام عالم میں نور سا پھیل گیا کیونکہ آپ ہی کی وجہ سے ساری دنیا میں اسلام کا دور دورہ تھا۔

"ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر ٭ دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے تھے گہر ٭ لوٹی جاتی تھی لٹکتی ہوئی سبزے پہ نظر"

"دشت سے جھوم کے جب باد صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی"

تشریح:- انیس کہتے ہیں کہ صبح صادق کے وقت ہر طرف ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں جس کی وجہ سے بیابان پر سحر سا چھایا ہوا تھا جس کی وجہ سے اشجار وجد کے عالم میں دم بدم جھوم رہے تھے۔

تشریح :- انیسؔ کہتے ہیں کہ صبح صادق کے وقت شبّر یزید میں طبل جنگ بجاتے حضرت حسینؑ کے لشکر میں اذان ہوتی اور حضرت حسینؑ امامت کرنے کے لیے جاتے نماز پڑھاتے اور وہ سب مصلی ایسے تھے جن کی زبان پر صوبت و قرآن تھی - یہ لوگ ایسے زاہد تھے - جو دنیا کے نیک لوگوں میں سب سے ممتاز تھا اور ایسے عبادت کرنے والے تھے کہ انہوں نے تلواروں میں بھی سجدے کیے -

مومن فولاد ہو آوازوں میں وہ سوز و گداز
سر تہِ سجادوں پہ تھے عرشِ معلی پہ نماز
اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
شیر دل متقی دیں وحید و ممتاز

چاند سے منھ پہ جبیں مثلِ ہلال ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر نہ مصلی ایسے

تشریح :- انیسؔ کہتے ہیں کہ یہ عبادت گزار ایسے تھے کہ وہ اپنے معبود سے سجدوں میں ایسا عجب راز و نیاز کرتے تھے - ان کی آوازوں میں ایسا سوز و گداز تھا کہ فولاد بھی موم ہو جاتا ان کے سر تو جا بجا نمازوں پر تھے لیکن ان کی نمازیں عرشِ معلی پر ہوتی تھیں - ان وہ شیر دل بے مثال اور دنیا میں ممتاز تھے - ان کے چہروں پر ایسا نور تھا کہ چاند بھی شرما جائے - اس دنیا میں پھر وہ نہ ایسا امام ہوگا اور نہ ہی ایسا مصلی ہوں گے -

جب فرضوں کو ادا کر چکے وہ فرش کردار
سجدہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہ عرش وقار
کس کو کہوں کہ ہو شوق نگاہ بے شمار
علم فوج کو عباس نے کھولا اک بار
دشت میں نکہت فردوس بریں آنے لگی
عرش تک اس کے پھریرے کی ہوا جانے لگی۔

تشریح:- حضرت حسینؑ اور آپ کے رفقاء نے جب نماز فجر کے فریضہ سے فراغت پائی تو اپنے اپنے ہتھیار بصد شوق کمر سے باندھے۔ حضرت حسینؑ گھوڑے پر سوار ہوئے اور حضرت عباسؑ نے فوجی جھنڈا سنبھالا اس وقت چاروں طرف فردوس بریں کی خوشبو محسوس کی جانے لگی اور فوجی جھنڈے کے پھریرے کی ہوا عرش تک جانے لگی۔

وہ علمدار کہ جو شیر الٰہی کا خلف
فخر حمزہ سے نمودار تھا جعفر کا شرف
گوہر بحر وفا شیر دیں، در نجف
کس طرح چاند کہوں چاند میں ہے عیب کلف
کس نے پایا وہ جو تھا جاہ و حشم ان کے لئے
یہ علم کے لئے تھے اور علم ان کے لئے۔

تشریح:- حضرت عباسؑ جیسے علمبردار جو حضرت علیؑ کے جانشین تھے جو کہ بحر وفا کے گوہر دین کے سورج اور در نجف ہیں حضرت جعفرؓ سے حضرت حمزہؓ کا فخر ظاہر ہو رہا تھا۔ انہیں چاند سے تشبیہ دینا بھی ان کے شایان شان نہیں کیونکہ چاند میں بھی داغ کا عیب ہے۔ ان سب کے لئے جو جاہ و حشم تھا وہ کسی اور کو حاصل نہیں تھا۔ اس طرح یہ علم ان کے لئے بنا تھا اور اس علم کے لئے وہ تھے۔

Department of Advance

urdu

NAME:- Shaik, Shaista

Class :- Degree II[nd] year

B.A (UHP)

4 Semester

Topic :- مرثیہ کا تعارف اور مرثیہ نگاری

4 Sem

Assignment

2018 - 2019

مرثیہ کا تعارف

مرثیہ کا تعارف:-

مرثیہ عربی لفظ ہے۔ ادب میں ایسی نظم کے لئے کہا جاتا ہے۔ جس میں کسی مرنے والے شخص کی تعریف و توصیف کرکے یاد تازہ کی گئی ہو۔ ایامِ جہالت میں عرب مرثیہ گوئی کا رواج عروج پر تھا۔ چونکہ اس فن سے قصیدہ گوئی کی طرح کوئی مالی منفعت نہیں۔ اس لئے زمانہ سے سابق اس فن کو زوال آگیا۔

اردو ادب میں دیگر اصنافِ سخن کی طرح مرثیہ گوئی کی روایت بھی زمانہ قدیم سے ملتی ہے۔ چنانچہ دکن میں قدیم اردو شعراء نے اس فن پر طبع آزمائی کی ہے اور دکنی ادب میں بے شمار مرثیے مل جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دبستان بیجاپور کے شعراء مرزا اور قادر کو خاص مقام حاصل ہے۔ انہوں نے اس فن کو عروج پر پہنچایا۔

ان کے علاوہ اردو کے اہم مرثیہ نگاروں میں میر ضمیر، میر خلیق، میر انیس اور مرزا دبیر انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

انیسؔ اور دبیرؔ نے صنف مرثیہ کو معراجِ کمال تک پہنچایا۔

قدیم زمانے میں مرثیے بھی غزل اور مثنوی کی شکل میں لکھے جاتے تھے۔ سوداؔ نے سب سے پہلے اس کو مسدس کی شکل میں لکھا اور اس کے بعد اسکی یہی شکل رائج ہوگئی۔

چنانچہ انیسؔ اور دبیرؔ نے بھی اسی شکل میں مرثیے لکھے۔

عام طور پر مرثیہ کا موضوع واقعات کربلا اور مصائب حضرت امام حسین اور ان کے اعزہ ورفقاء کی شہادت ہوتا ہے۔

لیکن اردو میں غیر مذہبی، شخصی اور قومی مرثیوں کی بھی کمی نہیں۔ اس سلسلے میں حالیؔ، اقبالؔ، سرور جہان آبادیؔ، چکبستؔ اور مہدیؔ لکھنوی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

عہد جدید کے ان شعراء نے علمی وادبی اور سیاسی شخصیتوں کے انتقال پر مرثیے لکھے ہیں۔

عہد جدید کے ان شعراء نے بھی پھر ایک مرتبہ مرثیہ کی شکل میں تبدیلی لائی۔ چنانچہ غالبؔ کی وفات پر مولانا حالیؔ کا مرثیہ، داغ کی وفات پر اور "والدہ مرحومہ کی یاد" میں اقبالؔ کے مرثیے اور پھر اس عہد کے دوسرے شعراء کے مرثیے

"غزل"، "مثنوی" اور "نظم" میں ملتے ہیں۔

مرثیے کے "اجزائے ترکیبی" حسب ذیل ہیں۔

"چہرہ" ② "ماجرا"، "رخصت"، "آمد"، "سراپا"، "رجز"، "جنگ"، "شہادت"، "بین"۔

"چہرہ" میں "تمہید" کے طور پر ایسے "مضامین" شامل کیے جاتے ہیں۔ جن کا "مرکزی کردار" سے "براہ راست" کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جیسے موسم یا کسی منظر کی "تصویر کشی"، دنیا کی بے ثباتی یا شاعرانہ تعلّی کا تذکرہ۔ "ماجرا" میں ایسے "واقعات" کا ذکر ہوتا ہے۔ جس کا "مقصد چہرہ" سے "گریز کر کے" "مرکزی کردار" تک آنا ہوتا ہے۔ کسی ایک مرثیہ میں "چہرہ"، "ماجرا"، "رخصت"، "آمد"، "سراپا"، "رجز"، "جنگ"، "شہادت" اور بین کا ہونا ضروری نہیں، انیس دبیر وغیرہ نے "محض مصائب" کا بیان کیا ہے۔

مرثیے میں "میر انیس" اور "دبیر" نے جو شہرت پائی وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آسکی۔ عصر جدید کے "مرثیہ گو شعراء" میں "جوش ملیح آبادی"، "شاد عظیم آبادی"، "جمیل مظہری"، "صفدر حسین"، "آل رضا" اور "ڈاکٹر وحید اختر" کے "نام بڑی" اہمیت کے حامل ہیں۔

شعر :-

اے خوشا حسن رخ یوسف کنعان حسن ، راحت روح میں ابن علی جان حسن
جسم میں زور علی طبع میں احسان حسن ، ہمہ تن خلق حسن، حسن، حسن شان حسن

تن پہ پھبتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شاہانی پوشاک

تشریح :-

حضرت علی اکبر جو کہ اسے حسین جمیل تھے جیسے حضرت یوسف وہ راحت روح حسین تھے کو جان حسن تھے ان کے جسم میں حضرت علی جیسا زور و قوت تھی تو حضرت حسن جیسی شان و شوکت رکھتے تھے۔ ان تمام کے تن پر شاہانہ پوشاک بڑی ہی بھلی لگتی تھی۔

شعر ۲ :-

اللہ اللہ! اسد اللہ کے نواسوں کا جلال ، چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے بال
نیمچے کا ماتھوں پر رکھے ہوئے مانند ہلال ، گرچہ بچپن تھا پر رستم کو سمجھتے تھے زال

صف سے نکھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے
مور جب لشکر کفار کے ہٹ جاتے تھے۔

Department of Urdu -Al- cluster PPR

VI th Semester

Assignment

218 - 2019

S. Shaistha

final year B.A
(U.H.P)

Roll No:= 07

Topic = مرثیہ

S.T.S.N. Govt. D.C.

5/5

Kadiri

مرثیہ

مرثیہ کی تعریف:

مرثیہ اردو کی ایک ایسی صنف سخن ہے۔ جس میں مرنے والے کی تعریف و توصیف بیان کی جاتی ہے۔ عام طور پر میدان کربلا میں شہید ہونے والے حضرت امام حسینؑ اور آپ کے رفقاء پر مرثیے لکھے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں شخصی مرثیے بھی لکھے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مہاتما گاندھی کے قتل پر مرثیہ لکھا گیا ہے۔ مجاز نے لکھا کہ

ہندو چلا گیا نہ مسلمان چلا گیا
انسان کی تلاش میں انسان چلا گیا

قدیم اردو کے کل ادبی سرمائے میں جو مرثیے ملتے ہیں۔ جو تقریباً تمام تر غزل کی ہیئت کے ہیں۔ عصر حاضر میں مرثیہ مسدس کی ہیئت میں لکھا جاتا ہے۔ میر انیس اور دبیر عظیم مرثیہ گو شعراء ہیں۔

مرثیہ کی اجزائے ترکیبی

ابتدائی میں تو مرثیہ کی نہ کوئی شکل معین تھی - نہ اسکے اجزاء مقرر تھے - میر ضمیر نے اسکی شکل متعین کر دی - اور اسے ۸ حصوں میں تقسیم کر دیا -

1. چہرہ	4. آمد	7. شہادت
2. سراپا	5. رجز	8. بین
3. رخصت	6. جنگ	9. دعا
		10. مدعا

دعا اور مدعا کو بعد کے شعراء نے اضافہ کیا -

مرثیہ نگاری نے بے شمار کردار بھی پیش کیے ہیں ان میں نیک اور حق پرست بھی ہیں - اور گمراہ و بے دین بھی علاوہ ازیں ان میں مرد و عورت، جوان، بوڑھے، بچے، حلیم، صابر، عیار، غصہ ور، جنگجو اور امن پسند ہر طرح کے کردار ہیں - اور جا بجا انکی سیرت پر روشنی ڈالنے کی ضرورت پیش آتی ہے - اسلئے مرثیہ نگاری سے اردو کا دامن وسیع ہوا - اور اسکے سرمائے میں الفاظ کے ایک بڑے ذخیرہ کا اضافہ ہوا - جتنے کسی اور صنف شاعری میں استعمال نہیں ہوئے -

STSN Govt Degree College kadiri

Department of urdu(l.U)

Topic :- Allam Iqbal

Name :- S. Aavhila

Group :- 1st B.A (U.H.P)

Date :- 24/2/2020

5/5

Submite :- Jamshida Mam

Hall :- 200053114

Projetwork

شیخ محمد اقبال

تعارف:-

اقبال تخلص اور اصل نام محمد اقبال۔ ولادت سیالکوٹ (پاکستان)
۹ نومبر ۱۸۷۷ء میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام نور محمد اور والدہ کا نام
امام بی بی تھا۔ گھر کا ماحول نہایت مذہبی تھا۔ اسی لئے اقبال کو کم عمری
میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مکتب میں داخل کرا دیا گیا۔ اقبال
کے استاد مولوی میر حسن نے مشورہ دیا کہ اقبال کی تعلیم صرف
درس قرآن تک محدود نہ ہو۔ اسی لیے انہوں نے عربی کے
علاوہ فارسی، اردو اور انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ ۱۸۹۱ء میں مڈل اور
۱۸۹۳ء میں میٹرک کا امتحان امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا۔ اعلیٰ تعلیم
کے لئے ۱۹۰۵ء میں انگلستان چلے گئے۔ مختلف ملازمتوں کے

کا جذبہ اور منظر نگاری کا ملتی ہے۔ اور اردو شاعری کو انہوں نے
نئی فکر نئی سوچ اور نیا انداز دیا شاعری کے ذریعے حرکت و عمل
کے پیغام کو عام کیا اور لوگوں میں اسلامی فکر زندہ کرنے کی کوشش
کی۔ تصور عشق، تصور خودی، مرد مومن، انسان کامل، عورت کا
مقام اور تعلیم کی روح کے نظریہ پیش کرتے ہوئے .... اردو
کے عظیم مفکر شاعر قرار پائے - انہوں نے تمام انسانوں کو قوم
نسل ملک اور زبان کے امتیازات سے بلند ہو کر بنی نوع انسان کی
فلاح و بہبود کو اپنا نصب العین بنانے کی تعلیم دی۔ اپنی شاعری
کو اپنے خاص پیغام اور تعلیمات کا ذریعہ بنایا۔ اقبال نے
لوگوں کو حرکت اور عمل کی تلقین کی - خودی، عشق اور مرد مومن
کا تصور پیش کیا۔ شاہین کو علامت کے طور پر استعمال کیا۔
اور ان کے استاد میر حسن کو شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا -
اقبال کا کلام فلسفیانہ بصیرت، شاعرانہ حسن اور اثر انگیزی کا ایک
حسین امتزاج ہے - اقبال کی ایک مشہور نظم چاند اور تارے
ہے۔ اقبال نے نظم چاند اور تارے میں چاند اور تاروں کی
باہمی "گفتگو" کے ذریعے وقت کا فلسفہ اور تخلیق کائنات کا
مقصد پیش کیا ہے - اور کائنات کی تمام اشیاء اور انسان
کے سفر کے دوام سے آگاہ کرایا ہے - اس نظم میں
بے جان اشیاء کی "گفتگو" کو تمثیل کیا ہے۔ اس کا مقصد انسان

علامہ اقبال

مٹ جاتے ”گناہوں کا تصور ہی جہاں سے اقبال
اگر ہو جاتے یقین کہ ”اللہ“ دیکھ رہا ہے۔

دل پاک نہیں تو پاک ہو نہیں سکتا انسان
ورنہ ابلیس کو بھی آتے تھے وضو کے فرائض بہت

سر جھکانے سے نمازیں ادا نہیں ہوتیں
دل جھکانا پڑتا ہے۔ عبادت کے لئے

اقبال نے توڑ دی تسبیح اس لئے
کیا گن کے نام لوں اس خدا کا جو بے حساب دیتا ہے

کوئی عبادت کی چاہ میں رویا
کوئی عبادت کی راہ میں رویا
عجیب ہے یہ نماز محبت کا سلسلہ اقبال
کوئی قضا کر کے رویا، کوئی ادا کر کے رویا

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں